امریکی صیہونی حکمتِ عملی

ڈاکٹر خالد علوی

مسلمانوں کی تاریخ میں اسلامی احیا اور مسلمانوں کے غلبے کا جو تصور مقبول رہا ہے' وہ تجدیدِ دین کی اصطلاح میں پوشیدہ ہے۔ سید مودودی نے اپنی کتاب تجدید و احیا دین میں اس حوالے سے ہونے والے کام کا ایک ایسا جائزہ پیش کیا ہے جسے اسلام کے حرکی تصور کا فہم رکھنے والا انسان نظرانداز نہیں کر سکتا۔ اقبال نے بہت صحیح کہا ہے:

> ایک سبق جو میں نے تاریخ اسلام کے مطالعہ سے سیکھا ہے یہ ہے' کہ صرف اسلام تھا جس نے آڑے وقتوں میں مسلمانوں کی زندگی کو قائم رکھا' نہ کہ مسلمان۔ مسلمان اگر آج اپنی نگاہیں پھر اسلام پر جما دیں اور اس کے زندگی بخش تخیل سے متاثر ہوں تو آپ کی منتشر اور پراگندہ قوتیں از سرنو جمع ہو جائیں گی۔ اور آپ کا وجود ہلاکت اور بربادی سے محفوظ ہو جائے گا۔ (خطبات اقبال' ص ۶۴)

ہر صدی کے سرے پر مجدد کی بعثت کی جو خبر حضور اکرمؐ کی طرف منسوب ہے وہ اس اعتبار سے بڑی اہم ہے کہ اس میں تزکیہ کا ایک خودکار نظام موجود ہے جو ملت اسلامیہ کے اجتماعی شعور کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ اسلام کی بقا' ختم نبوت کی حفاظت اور اسلام کے فکری غلبے کی بنیادی علامت یہ ہے کہ ان امتی لاتجتمع علی ضلالۃ یعنی امت مسلمہ کا اجتماعی شعور کبھی کسی گمراہی پر مجتمع نہیں ہو گا۔ بلاشبہ مسلمان معاشروں میں الحادی تحریکوں' انحرافی گروہوں' گمراہیوں اور بدعات کا فروغ بھی ہو سکتا ہے' لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ امت مسلمہ کسی گمراہی' بدعت اور الحادی فکر پر مجتمع ہو جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلم تاریخ میں کبھی ایک فرد اٹھتا ہے اور وقت کے اندھیروں اور زمانے کی تاریکیوں کے خلاف مصروف جہاد ہوتا ہے' اور اسلام کے نور کو چہار سو پھیلا دیتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اجتماعی قیادتیں یہ کام کرتی ہیں' اور دیکھتے ہی دیکھتے نور کی شعاعیں پھوٹنے لگتی ہیں اور اندھیرے پسپائی اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں امریکی سازشوں اور امریکی عزائم کی بات اتنی عام ہے کہ یہاں پر ہونے والی معمولی سی بات میں بھی امریکی صیہونی سازش نظر آتی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ بات ایک مذاق سی بن گئی ہے۔ اس

کے باوجود امریکی اور صیہونی سازشیں ایک حقیقت ہیں ' البتہ اس کا ایک پہلو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور وہ ہے اپنا کم احتسابی کا رویہ - بد قسمتی سے ہم مسلمان ایسے گروہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں ' جو اپنے اعمال اور فیصلوں پر تجزیہ کرنے سے پہلو بچاتے ہیں - یہ ایک منفی اور خود فریبی کا رویہ ہے - ہم یہ جاننے کی کوشش کریں کہ امریکہ کیا ہے اور وہ کیا چاہتا ہے؟ صیہونیت کیا ہے اور وہ کیا چاہتی ہے؟ انگریزی میں اس موضوع پر بہت سا لٹریچر موجود ہے - Elders of Zion کے نام سے ایک ڈائری چھپی ہے ' جس کے بارے میں یہودیوں کا کہنا ہے کہ "وہ جعلی ہے ' ان کے مخالفوں نے اسے لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیا ہے" - جن لوگوں نے اس ڈائری کو پڑھا ہے اور پھر ان حالات کا جائزہ لیا ہے جو عالمی سطح پر ہو رہے ہیں یا مسلم ممالک میں جو ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں ' وہ یقیناً کہیں گے کہ ان حالات سے تو واقعی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر ڈائری جعلی ہے تو بھی لکھنے والوں نے یہودیوں کے دماغ کو ٹھیک طور پر پڑھ کر ہی لکھی ہے -

فلسطین میں یہودیوں کو آباد کاری کے لیے برطانوی و امریکی امداد مسلسل حاصل رہی - ۱۸۸۲ سے ۱۹۱۴ تک ۶۵ ہزار یہودی فلسطین میں آباد ہوئے - ۱۹۱۴ میں پہلی جنگ عظیم سے پہلے ان کی تعداد ۹۰ ہزار تھی - برطانوی دلچسپی کا اندازہ "اعلان بالفور" کے ان الفاظ سے ہوتا ہے: بادشاہ معظم کی سلطنت اس امر کا یقین اور ارادہ رکھتی ہے کہ ارض فلسطین پر یہودی لوگوں کے لیے ایک وطن کی بنیاد رکھے اور اشتراک کے لیے تمام وسائل اور صلاحیتوں کو بروئے کار لائے -

ازمنۂ وسطیٰ (Middle ages) میں یہودیوں کے ساتھ عیسائیوں کے سلوک کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے - اس دور میں یہودیوں پر سب سے زیادہ مظالم عیسائیوں نے کیے - تب یہودیوں نے مسلم سپین ' عثمانی ترکوں اور شمالی افریقہ کی مسلمان ریاستوں میں پناہ حاصل کی - لیکن اس قوم نے احسان فراموشی کرتے ہوئے مسلمانوں ہی کو نقصان پہنچایا - مسلمانوں کے ہاں پناہ کے دوران میں ان کی فکر اور ان کا فلسفہ پروان چڑھا - ان کا اہم فلسفی جو مسلمانوں کی تاریخ میں میمون اور یورپی مورخین کے ہاں Minonides کے نام سے معروف ہے ' وہ غزالی کا ہم عصر تھا - یہودی فکر کے ارتقا میں اس کا بڑا موثر رول ہے - اس دشمنی کے باوجود یہودیت سے عیسائیوں کی مفاہمت کیسے پیدا ہوئی ' حالانکہ یہ ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرتے تھے؟ ان کے درمیان مقاصد کا اشتراک سمجھنے کے لیے عیسائیت کا جائزہ لینا ہوگا -

عیسائیوں کے دو معروف فرقے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ ہیں - کیتھولک عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ کو سولی پر چڑھانے والے یہودی تھے ' لہٰذا یہودی مسیح کے قاتل ہیں اور مسیح کا خون یہودیوں کے سر ہے - اگرچہ اب پوپ نے ان کو اس جرم سے بری کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ مسیح

کی مصلوبیت کا واقعہ ہماری تاریخ میں ہے، لیکن میں یہودیوں کو مسیح کے قتل سے بری کرتا ہوں۔ یہ احکام ویٹیکن ثانی کی دستاویزات مجریہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۶۵ اور ۷ دسمبر ۱۹۶۵ میں درج ہیں۔

پروٹسٹنٹ گروہ یہودیوں کا حامی ہے۔ ان کی صفوں میں کچھ گروہ Chrisitian Zionist کہلاتے ہیں۔ جنھیں عیسائی یہودی کہنا چاہیے۔ یہ لوگ عیسائیوں میں پھوٹ ڈالنے کا کام کرنے کے لیے ہر قسم کا کام کر سکتے ہیں۔ ان یہودیوں نے عیسائیوں کی صفوں میں داخل ہو کر ایسا کام کیا ہے کہ عیسائی نہ صرف ان کے مقاصد کی تکمیل میں ممد و معاون بن گئے ہیں، بلکہ انھوں نے یہودیوں کے دفاع کا کام بھی اپنے ذمہ لے لیا ہے۔

مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی میں رومی عسکریت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رومن ایمپائر مغربی ذہن سے محو نہیں ہوئی۔ ایک وقت تھا، جب برطانیہ نے اپنے آپ کو رومن ایمپائر کا جانشین سمجھتا تھا اور اب امریکہ اس کی جانشینی کا دعویدار ہے۔ اگر غور کریں تو یہ اینگلو سیکسن پالیسی ہے۔ امریکہ اور برطانیہ اینگلو سیکسن گروپ ہے۔ برطانوی دانش ور کھل کر کہتے ہیں کہ برطانیہ امریکہ کا سٹیلائیٹ ہے۔ اگر تجزیہ کریں تو پتہ چلے گا کہ اب بھی جو بین الاقوامی پالیسی بنتی ہے اس کی تشکیل اور اس کی تنفیذ میں برطانوی سازش اور برطانوی ذہن کارفرما نظر آتا ہے۔ دوسری طرف تمام معاملات میں امریکہ اور برطانیہ میں گہرا اشتراک موجود ہے۔

اینگلو سیکسن گروپ اور صیہونیت میں گہرا اشتراک عمل پایا جاتا ہے۔ یہ گروپ عالمی غلبہ چاہتا ہے۔ برطانیہ ہی نے یہودیوں کو فلسطین میں بسانے کے لیے عملاً مدد کی۔ پھر ۱۹۲۳ میں مینڈیٹ پر عمل در آمد شروع ہوا اور ۱۹۲۵ میں یروشلم میں ہیبریو یونی ورسٹی کا آغاز ہوا تو اس کا سنگ بنیاد لارڈ بالفور نے رکھا۔ اسی شخص نے یہودی ریاست کے قیام کا اعلان کیا تھا۔

برطانیہ، امریکہ اور صیہونیوں کے منصوبوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ان کا علم ضروری ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے جس کے تحت ہم اپنے دشمنوں کی زبان پڑھیں، ان کے لٹریچر کا جائزہ لیں اور اس کے بعد اپنی حکمت عملی مرتب کریں۔ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں کئی ادارے ہیں جو مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کی حکمت عملیوں کا جائزہ لیتے ہیں۔ یورپ کے ایک اہم ادارہ میں مجھے بھی پڑھانے کا موقع ملا۔ ایم اے اور پی ایچ ڈی کرنے کے لیے مسلمان اور غیر مسلم طلبہ یہاں سے اسلامی مطالعے پر ڈگریاں حاصل کرتے ہیں۔ اس ادارے میں ایک شعبہ افریقہ پر ہے، کوئی عیسائی طالب علم یا سکالر آئے تو درست، لیکن کسی مسلمان کے لیے وہاں رسائی ممکن نہیں۔ میں وہاں اتفاقاً چلا گیا تو ڈیوٹی پر موجود کارکن سخت پریشان ہو کر کہنے لگا "میرے لیے مشکلات پیدا ہوں گی، اس لیے آپ منتظم اعلیٰ سے اجازت لے کر آئیں"۔ یہ عجیب بات ہے کہ ہماری جامعات

اور ہمارے کالجوں میں اسلام کے حوالے سے جو بات ہوتی ہے اس میں ان غیر مسلموں کو اتھارٹی کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ قرآن' حدیث اور فقہ پر ان کی ہزلیات کو مستند سمجھا جاتا ہے۔

سید مودودیؒ نے اسی المیہ کو دیکھ کر فرمایا تھا: "اب معاملہ الٹا ہو گیا ہے کہ مسلمان یورپ والوں سے پوچھتے ہیں کہ اسلام کیا ہے اور اسلام کی تاریخ اور اس کی تہذیب کیا ہے؟ حتیٰ کہ عربی زبان بھی مغربی مستشرقین سے سیکھی جاتی ہے۔ مغربی ممالک سے استاد درآمد کر کے ان سے اسلامی تاریخ پڑھوائی جاتی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے متعلق جو کچھ وہ لکھتے ہیں 'نہ صرف اسے پڑھایا جاتا ہے بلکہ اس پر ایمان بھی لایا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لوگ خود اپنے مذہب اور اس کی تاریخ کے متعلق اپنے ہم مذہبوں کے سوا کسی کی رائے کو ذرہ برابر بھی دخل دینے کی اجازت نہیں دیتے" (ترجمان القرآن 'نومبر ۱۹۶۱' ص ۵۵-۵۶)

آج تک کسی مسلمان نے' سوائے سرسید احمد خاں کے بائبل کی تفسیر نہیں لکھی' اور وہ بھی انگریزوں کو خوش کرنے کے لیے' تاکہ یہ بتائیں کہ بائبل بھی قرآن کے برابر ہے۔ کسی مسلمان نے ان کی فلاسفی' ان کی تاریخ اور ان کے مذاہب پر اظہار خیال کیا ہو اور انھیں سمجھانے کی کوشش کی ہو؟ یہ باب بڑا مایوس کن ہے۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کوئی مسلمان انھیں بائبل پڑھانے کے لیے آئے۔ لیکن وہ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ ان کی یونیورسٹیوں میں اسلام پڑھایا جائے گا اور اسے یہودی اور عیسائی پڑھائیں گے۔ اور اگر مسلمان پڑھائے گا تو اس منہاج اور اسلوب کے مطابق جو مغربی سکالر نے ایجاد کیا ہے۔ سید مودودیؒ نے کہا تھا کہ کوئی یہودی کسی غیر یہودی کو اپنی تاریخ پڑھانے کی اجازت نہ دے گا' لیکن مسلمان اپنی تاریخ کے لیے بھی اور اپنے معاملات کے تجزیے کے لیے بھی عیسائیوں اور یہودیوں کی تشریحات پر اعتماد کریں گے۔

اسلام' یہودیت اور عیسائیت کے درمیان ایک رشتہ ہے۔ مسلمانوں کو وہ رشتہ ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ اس رشتے اور اس تعلق کی وضاحت سورہ مائدہ کی اس آیت سے ہوتی ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَتَّخِذُوا۟ ٱلْيَهُودَ وَٱلنَّصَٰرَىٰٓ أَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُۥ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلظَّٰلِمِينَ (المائدہ ۵: ۵۱)

اے ایمان والو! یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنا رفیق نہ بناؤ' یہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اور اگر تم میں سے کوئی ان کو اپنا رفیق بناتا ہے تو اس کا شمار بھی پھر انھی میں ہے۔ یقیناً اللہ ظالموں کو اپنی رہنمائی سے محروم کر دیتا ہے۔

یہودیوں کو اسلام اور مسلمانوں سے جو عداوت ہے اس کی دو بنیادیں ہیں:

پہلی بنیاد' بقول سید مودودیؒ' یہ ہے کہ آنحضورؐ کی آمد سے انسانیت کی دینی و روحانی قیادت بنی

اسرائیل سے بنی اسماعیل میں منتقل ہوگئی ہے۔

دوسری بنیاد وہ واقعات ہیں جن کا تعلق یہودیوں کے اخراج سے ہے۔ عہدِ نبویؐ میں یہودیوں کو ان کی دشمنی، سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے مدینہ، خیبر اور فدک سے نکالا گیا تھا۔ اس اخراج کو وہ نہیں بھولے۔

صیہونیت ایک قومی و نسلی تحریک ہے اور اس کا ہدف عظیم تر اسرائیل ہے۔ اینگلوسیکسن گروپ کے تعاون سے وہ فلسطین پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے ہیں اور ان کی آیندہ نسلیں اسی اتحاد کے ذریعہ عظیم تر اسرائیل حاصل کرنے کی کوشش کریں گی۔ اس وقت مشرق وسطیٰ میں جو کھیل کھیلا جارہا ہے اس کے انجام سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ بظاہر ان کے عزائم کی تکمیل میں کوئی بڑی رکاوٹیں نہیں لیکن مشیت خداوندی کے اپنے معاملات ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی تاریخ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ انھیں نکالا گیا تھا اور پھر واپسی کا سامان کیا گیا۔ دوبارہ نکالا گیا اور تیسری بار وہیں لوٹ کر آرہے ہیں۔ قیامت کی علامات میں جو کچھ احادیث و آثار میں آیا ہے اس کے مطابق یہودیوں کا سمٹ کر آنا، آخری تصادم کی تیاری ہے۔ جب پتھر بھی آواز دے گا کہ یہاں یہودی چھپا ہوا ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ مسلمانوں کی آزمایش کے لیے کیا باقی ہے؟

صیہونیوں نے اینگلوسیکسن گروپ کے اشتراک سے سیاسی و عسکری اور فکری و معاشی غلبے کے لیے جو منصوبہ بندی اور جو طریق کار اختیار کیا ہے، اس کے یہ چند پہلو قابل غور ہیں:

ان کے طریقہ کار میں پہلی چیز دشمن کے بارے میں پوری معلومات اکٹھی کرنا اور اس کی تہہ تک پہنچنا ہے۔ اس کے لیے انھیں جو ذرائع بھی اختیار کرنا پڑیں وہ اختیار کرتے ہیں۔ علم، تجارت، ذاتی تعلقات اور رشوت و لالچ سے وہ مسلمان ملکوں، معاشروں اور حکومتوں کے اندر نفوذ حاصل کرتے ہیں۔ تاکہ ان کا کوئی پوشیدہ پہلو بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ ہو۔

دوسری چیز یہ ہے کہ وہ قوموں کی تاریخ، ان کے عقائد، ان کی ثقافت اور ان کے فکر و عمل میں اختلاف و انتشار پیدا کرتے ہیں۔ قومی وحدت اور ملی یگانگت کو مجروح کرتے ہیں۔ قومیں جب انتشار کا شکار ہوتی ہیں تو ان کے مقاصد کی تکمیل میں ممد و معاون بن جاتی ہیں۔ ہماری تاریخ میں عبداللہ بن سبا انتشار و الحاد کا نقطہ آغاز ہے۔ اسماعیلی، بہائی اور قادیانی اس عمل کی معروف علامات ہیں۔

تیسری چیز مسلمان معاشروں کو مغرب کی فکری اطاعت، عملی پیروی اور سیاسی کنٹرول میں دینا ہے۔ جو شخص ان سے اختلاف کرے گا اس کے لیے انھوں نے الزامات گھڑ رکھے ہیں: انتہا پسند، بنیاد پرست، دہشت گرد، تنگ نظر، رجعت پسند۔ ادھر اختلاف کی جرات ہوئی، ادھر الزامات کی بوچھاڑ شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کے اندر ان کے بالواسطہ اور بلاواسطہ گماشتے ان کا دیا ہوا فریضہ انجام دینے

میں مصروف ہیں۔

اس حوالے سے انھوں نے تین سبق پڑھانے اور انھیں معاشرے میں مسلمہ اصول قرار دینے کا عمل پوری قوت سے آگے بڑھایا ہے۔ ان مسلمات کی حیثیت عقیدہ کی ہے: سیکولرائزیشن (Secularization)' ڈیموکریٹائزیشن (Democratization)' کمرشلائزیشن (Commercialization)۔

i۔ سیکولرائزیشن: یہ وہ طریق کار ہے جس کے ذریعے پوری دنیا کو مغربی طرز فکر و عمل سے ہم آہنگ کرنا مطلوب ہے۔ یہودیوں کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ غیر یہودی مذاہب ہیں۔ اس لیے ان کا اولین ہدف مذہبی تاثیر کو ختم کرنا ہے۔ اولین طور پر انھوں نے یورپ میں سیاسی و معاشی دائروں میں عیسائیت کو بے اثر کیا اور پھر پوری دنیا میں مذہب کے خلاف مہم چلائی۔ سیکولرائزیشن میں تین اہداف پیش نظر رکھے گئے۔

۱۔ مابعد الطبیعاتی ماخذ کی تحقیر کی گئی۔ چونکہ الہامی مذاہب کی بنیاد علم الٰہی ہے' اس لیے اسے غیر عقلی اور غیر سائنسی نظریہ قرار دیا گیا اور لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھانے کی کوشش کی گئی کہ دنیا ہی حقیقت ہے اس سے ماورا کوئی شے نہیں۔ ایک مرتبہ خدائی حوالے بے اعتبار ہو جائے تو ان کا کام آسان ہو جاتا ہے۔

۲۔ مستقل اخلاقی اقدار کی نفی کی گئی اور یہ فیصلہ دیا گیا کہ انسانی زندگی میں ہر قدر کی حیثیت اضافی ہوتی ہے' اور وقت کے ساتھ ساتھ اقدار بھی بدلتی جاتی ہیں۔ مذہب چونکہ اخلاقی قدروں کا نظام رکھتا ہے' اس نظام اقدار پر تیشہ زنی سے مذہب کی گرفت از خود ختم ہو جاتی ہے اور معاشرے بداخلاق' بے راہ رو اور آوارہ منش ہو جاتے ہیں۔ مغرب میں جنسی صنعت' ذرائع ابلاغ اور تفریحی ادارے یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں۔ انھوں نے ترقی کے نام پر عریانی' فحاشی اور بے راہ روی کو فروغ دیا ہے۔ امریکہ اور یورپ کی عیسائی سوسائٹی کی بنیادیں ہلا دینے میں وہ پوری طرح کامیاب ہیں۔ اور اس طرح کامیابی کے ساتھ مسلم دنیا میں بھی راہیں پیدا کرنے میں تیزی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔

۳۔ سیاست کو مذہبی اخلاقیات سے آزاد کرا لیا گیا۔ ریاست اور اس کے تمام ادارے مذہب و اخلاق سے لاتعلق کر دیے گئے۔ سیاست لللِ ثروت کا کھیل ہے جس میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے ہیں جو ایک مضبوط مالی پوزیشن کے حامل ہیں۔ پارٹی سسٹم بھی ایک خاص نہج پر منظم ہے۔ مغربی ممالک کے پارٹی سسٹم کی تشکیل و تنظیم میں یہودی پوری طرح دخیل ہیں۔ سیاست کو مذہب سے الگ رکھنے کا نظریہ یورپ میں اپنا لیا گیا ہے اور مسلم دنیا میں اسے نافذ کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

ان تینوں معیارات کے لحاظ سے مغربی معاشرہ ایک سیکولر معاشرہ ہے لیکن دلچسپ حقیقت یہ

ہے کہ یہودیوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہوا ہے۔ امریکہ و یورپ میں یہودیوں کے خلاف بات کرنا ایک امر محال ہے۔

ڈیمو کریٹائزیشن: جمہوری عمل بظاہر پرکشش ہے جس میں عوام کو آزادی دی جاتی ہے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کریں۔ لیکن عملاً وہ رائے کا اظہار صرف ایک مرتبہ کرتے ہیں اور وہ بھی کسی دوسرے کو ووٹ دینے کی حد تک۔ اس کے بعد وہ حکومت کے رحم و کرم پر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ انھیں یہ حق ہے کہ وہ مظاہرے کریں۔ دینی علم رکھنے والے دین کے حوالے سے جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی بات کرتے ہیں جو جمہوریت میں عوامی اقتدار اعلیٰ کے نام نہاد نعرے سے ٹکراتی ہے اور مستقل نظام اقدار کا تحفظ کرتی ہے۔ اس لیے ان کا ہدف ہے کہ ان کو بے اثر کرنے کے لیے عامتہ الناس کی ایسی تنظیم کی جائے جو دینی حوالوں سے بات کرنے والوں کے مدمقابل کھڑی ہو۔ ان کی تحقیر کرے، جمہوری عمل کے نام پر ایسی ہلڑ بازی اور دھونس جمائی جائے کہ شرفا کے لیے کوئی اقدام کرنا ناممکن ہو جائے۔ یہی وہ پالیسی ہے جس پر یہودی ایجنسیاں مصروف عمل ہیں۔ آج ہر مغربی حکومت اس ''جمہوری عمل'' کو تعلقات کے لیے اولیں شرط قرار دیتی ہے۔ اسلام کا شورائی نظام عوامی جمہوریت سے کہیں زیادہ بہتر اور نفع بخش ہے۔

کمرشلائزیشن: یہودیوں نے عمومی سطح پر آخرت کا تصور نکال دیا ہے۔ وہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے دنیا پرستی کے کئی فلسفے گھڑے ہیں۔ خدا کو بے دخل کرنے، اخلاقی قدروں کو پامال کرنے اور دینی حوالوں کو بے اثر بنانے میں انھوں نے ہر حربہ استعمال کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر شے خریدنی و فروختنی ہے۔ مغربی دنیا میں سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظاموں کے پیچھے اصل جذبہ وسائل حیات پر کنٹرول حاصل کرنا ہے۔ ایک وقت تھا جب اشتراکی فلسفے کے تحت نیشنلائزیشن منفعت بخش نعرہ تھا اور اب نج کاری عالمی نعرہ ہے۔ انھوں نے پوری دنیا کو مجبور کیا ہے کہ اپنے وسائل ملٹی نیشنل کمپنیوں کے سامنے رکھ دیں۔ اس طرح مزدور، طریق محنت، وسائل پیداوار، صنعت کاری و زراعت کی تنظیم و تنفیذ سب پر ان کا کنٹرول ہے یا ان کی ہدایات نافذ ہوتی ہیں۔ تمام بین الاقوامی ادارے ان کے زیر تصرف ہیں۔ عالمی مالیاتی فنڈ، عالمی بنک، تخفیف اسلحہ، خاندانی منصوبہ بندی، ماحولیاتی تحریکیں، آزادی نسواں کی تحریکیں، حقوق انسانی کی تنظیمیں، ان کے مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔

اس طریق کار کے ذریعے انھوں نے مسلمان معاشروں میں راہیں پیدا کی ہیں اور اکثر جگہ انھیں غیر مستحکم، منتشر بلکہ حواس باختہ کر دیا ہے۔ صیہونیوں کا مفاد اس میں ہے کہ مغربی ملکوں کی وحدت قائم ہو۔ امریکہ کی وحدت میں صیہونیوں کو اثر انداز ہونے کی آسانی تھی، لیکن یورپ کے مختلف ملکوں

اور مختلف دارالحکومتوں کی وجہ سے دقتیں پیش آ رہی تھیں۔ لہٰذا انھوں نے سارے یورپ کو متحد ہونے کا نعرہ دیا۔ یوں یورپ کو کنٹرول کرنا آسان ہو گا۔ امر واقعہ ہے کہ یورپ کی یک جائی کی اس تحریک کے پس پردہ واحد نظریاتی قوت یہودیت ہے۔

دوسری طرف ان کی پالیسی کا حصہ ہے کہ عالم اسلام مزید ٹکڑوں میں بٹے۔ صنعتی ترقی نہ ہو اور جو ترقیاتی منصوبے بنیں ان کی شہ رگ ان کے پنجے میں ہو، زراعت تباہ ہو، وسائل پر یورپ اور امریکہ اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کا قبضہ ہو۔ حکمران دست نگر ہوں۔ پالیسیاں مغربی ادارے تشکیل دیں۔ عالم اسلام ایک ہجوم اور ایک بھیڑ ہو جسے ہانکنے والے نام نہاد مقامی حکمران ہوں اور ہدایات دینے والے بین الاقوامی ادارے ہوں-- ہمارے ذمی حکمران اس خدمت کی بجا آوری کے لیے قطار اندر قطار کھڑے ہیں۔

یہاں ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہودیوں کی اسلام دشمنی پر تو قرآن کریم گواہ ہے اور دشمن نے اپنی دشمنی کرنی ہی ہے۔ دشمن کو برا بھلا کہنے کے بجائے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اپنے فرض منصبی کو سمجھیں، اپنا مقام پہچانیں، اپنے فرائض انجام دیں اور مثبت اقدام کر کے دشمن کی چال کو ناکام بنا دیں... لیکن افسوس کہ ہم صرف دشمن کو برا بھلا کہنے کو اصل کارنامہ سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہی اصل روگ ہے، جس نے مسلمان معاشروں کو بے عملی کا شکار اور تقدیر پرستی کے غلط مفہوم کا اسیر بنا دیا ہے۔ راست فکری و راست کاری بندۂ مومن کا فرض ہے۔ کیا ہم دشمن کی چالوں کی گنتی ہی کرتے رہیں گے، یا آگے بڑھ کر تعمیری انداز سے اس کا مداوا بھی کریں گے؟ یہ فریضہ صرف وہ اسلامی تحریکیں انجام دے سکتی ہیں، جو تجدید و احیاے دین کے شعور سے مالا مال اور عمل کے جذبے سے سرشار ہیں۔

خوش گوار روایت

گزشتہ ماہ ایک خوش گوار روایت کا آغاز ہوا۔ مدیر ترجمان کے اشارات، اسلام اور مغرب کی تہذیبی کشمکش میں بنیادی اور فیصلہ کن مسئلہ: کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں؟ جولائی میں ہی بھارت کے رسالہ زندگی نو (مدیر: فضل الرحمٰن فریدی) میں درج ذیل نوٹ کے ساتھ بھی شائع ہوئے۔ "ہمیں انتہائی مسرت ہے کہ زندگی نو اور ترجمان القرآن دونوں رسالوں میں یہ تحریر ایک ساتھ شائع ہو رہی ہے۔ یہ ایک دردمند اور مضطرب دل کی آواز بھی ہے جس سے اگر عالمی ملت اسلامیہ اثر قبول کر سکے تو وہ مستقبل کا ایک ایسا دعوتی اور عملی منصوبہ بنا سکتی ہے جو دلوں کو مسخر کر سکے اور حقائق پر پڑی گرد دور کر سکے۔